حدیث کا درایتی معیار

(داخلی فہم حدیث)

۱۱

ایمان بالکتب

مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم دینیات علی گڈھ مسلم یونیورسٹی

کتاب سے مراد اللہ کی طرف سے جو علم وادراک نبیوں اور رسولوں کو دیا جاتا رہا اس کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) وہ جو کلام الٰہی کی شکل میں اللہ کی طرف سے بذریعۂ فرشتہ اتار اگیا۔

(۲) وہ جو تشریح وتوضیح کی شکل میں نبوت کی طرف سے بذریعۂ شعورِ نبوت حاصل ہوا۔

پہلی کی حیثیت "اصل" اور دوسری کی حیثیت "فرع" یعنی اخذ واستنباط کی ہے "کتاب" سے مراد علم وادراک کی پہلی قسم ہے جس پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جس دور و زمانہ میں بھی کلام الٰہی جس نبیؑ و رسولؑ پر اتار اگیا وہ سب برحق اور خالص اللہ کی طرف سے تھا۔

قرآنِ حکیم کی آخری و دوامی شکل | ختمِ نبوت سے پہلے چونکہ جوہرِ انسانیت کے قویٰ وخواص خام حالت میں تھے اور ان میں بتدریج پختگی وتوانائی پیدا کرنے کا مرحلہ تھا اس بناء پر کلام الٰہی (کتاب)

ان کی مناسبت سے حسب ضرورت بھیجا جاتا رہا اور وقتاً فوقتاً اس میں ردوبدل کر کے بہتر شکل دینے کی کوشش ہوتی رہی تاکہ بتدریج پختگی و توانائی کی راہ ہموار ہو سکے، لیکن ختم نبوت پر جو کلام الٰہی (کتاب) اتارا گیا وہ چونکہ قویٰ و خواص کی پختگی و توانائی کے بعد صلاحیتوں کی ضابطہ بندی کے لئے ہے اس میں ردوبدل ضرر رساں ہونے کے علاوہ خلافت و نیابت کے لئے حیوانی و نورانی بنیاد کے درمیان تجاذبی قوت کی جو حد مقرر تھی اس میں بھی اضافہ کی گنجائش نہ رہ گئی تھی اس بناء پر پختگی و توانائی کے بعد کلام الٰہی (قرآن حکیم) کو آخری و دوامی شکل دے کر مہر نبوت کی تصدیق اس پر ثبت کردی گئی۔

پہلی کتابوں کا ذکر | پہلی کتابوں کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ (اعلیٰ ع ۱)	یہ باتیں گذشتہ صحیفوں میں بھی ہیں ابراہیمؑ اور موسیٰ کے صحیفوں میں
أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ (طٰہٰ ع ۸)	کیا پہلے صحیفوں میں جو کچھ ہے اس کی گواہی ان کو نہیں پہنچی۔
وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ (شعراء ع ۱۱)	بلاشبہ یہ پہلوں کی کتابوں میں ہے۔
وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا (النساء ع ۲۳)	اور ہم نے داؤدؑ کو زبور دی
إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ (مائدہ ع ۷)	ہم نے توراۃ اتاری جس میں ہدایت اور نور ہے
وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ۔ ایضاً	ہم نے عیسیٰؑ کو انجیل دی اس میں ہدایت اور نور ہے

متعلقہ حدیثیں | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

انزلت صحف ابراہیم علیہ السلام فی اول لیلۃ من رمضان وانزلت التوراۃ لست مضین من رمضان والانجیل لثلاث عشرۃ خلت من	ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے رمضان کی پہلی رات میں اتارے گئے، توراۃ چھ رمضان، انجیل تیرہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل کیا گیا۔

رمضان وانزل الفرقان لاربع وعشرین خلت من رمضان ۔ [۱]

دوسری جگہ ہے ۔

اعطیت مکان التوراۃ السبع | میں توراۃ کی جگہ سات لمبی سورتیں دیا گیا زبور
واعطیت مکان الزبور المئین | کی جگہ سو سے زائد آیتوں والی سورتیں دیا گیا
واعطیت مکان الانجیل المثانی | انجیل کی جگہ سو سے کم والی آیتیں دیا گیا اور
وفضلت بالمفصل [۲] | اس سے بھی کم آیتوں والی سورتوں کے ساتھ میں فضیلت دیا گیا ۔

پہلی کتابوں میں نسخ و نسیان کا ذکر

ان کتابوں میں نسخ (ردوبدل) کا ذکر اس آیت میں ہے ۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ ع ۱۱) | ہم اپنے احکام سے جو کچھ بدل دیتے یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل کرتے ہیں ۔

"نسخ" میں پچھلی تعلیم موجود تھی اور "نسیان" میں پچھلی تعلیم فراموش ہوگئی تھی لیکن دونوں صورتوں میں ہر نئی تعلیم پچھلی سے بہتر یا اس کے مثل تھی کمتر نہ تھی کیوں کہ بتدریج پختگی و توانائی کی طرف لے جانے کے لئے اصل تکمیل وارتقاء ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لقد جئتکم بہا بیضاء نقیۃ ولو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی [۳] | میں تمھارے پاس صاف اور ستھری ملت حنفیہ لایا ہوں اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا ۔

دوسری روایت میں ہے

والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم | اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان

---

[۱] و [۲] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۰۷

[۳] احمد و مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی

موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولوکان حیًا وادرک نبوّتی لاتّبعنی[1]

ہے اگر تمھارے سامنے موسیٰؑ ظاہر ہوں اور تم مجھے چھوڑ کران کی اتباع کرو تو سیدھی راہ سے گمراہ ہو جاؤ گے اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے اور میری نبوۃ کو پاتے تو وہ میری اتباع کرتے۔

بحیثیت مجموعی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم نسخ ونسیان ہی کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کا حکم دیا اور نہ تکذیب کا بلکہ بحیثیت مجموعی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا۔

لاتصدّقوا اھل الکتب ولاتکذّبوھم وقولوا اٰمنّا باللہ وما انزل الینا الاٰیۃ[2]

تم اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو بلکہ یہ کہو کہ ہم اللہ پر اور ان کتابوں پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئیں۔

نسخ ونسیان دونوں کا تعلق پہلی کتابوں سے ہے جیسا کہ اس سے اوپر کی آیت مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ الخ سے ظاہر ہے نسیان کی صورت اس لئے کہ جب تک حفاظت و یاد رکھنے کا قدرتی انتظام نہ ہو امتدادِ زمانہ کی وجہ سے تعلیم فراموش ہو جاتی ہے۔ جوہرِ انسانیت کی پختگی و توانائی سے پہلے چوں کہ کتابِ الٰہی میں تسلسل و ارتقا پایا جاتا رہا اس بناء پر حفاظت و یاد رکھنے کا کوئی قدرتی انتظام نہ کیا گیا البتہ نسخ کا تعلق

نسخ کی حقیقت سمجھنے کے لئے اس کی حقیقت جاننا ضروری ہے۔ لغت کی کتابوں میں نسخ کی یہ حقیقت بیان کی گئی ہے۔

ازالۃ الحکم بحکم یتعقبہ[3]

کسی حکم کو بعد کے حکم سے زائل کرنا۔

---

[1] مشکوٰۃ باب الاعتصام الفصل الثالث [2] ایضاً الفصل الاول
[3] راغب اصفہانی المفردات فی غریب القرآن

ابطال الشئ واقامۃ آخر مقامہ [1]	شی کو باطل کرکے اس کی جگہ دوسری شی رکھنا
نسخ الآیۃ بالآیۃ ازالۃ حکمھا [2]	ایک آیت کو دوسری آیت سے منسوخ کرنا اس کے حکم کو زائل کرنا ہے۔
النسخ ان تزیل امرًا کان من قبل العمل بہ ثم تنسخہ بحادث غیرہ [3]	نسخ یہ ہے کہ پہلی بات جس پر عمل کیا جاتا ہو اس کو زائل کرکے اس کی جگہ نئی بات رکھی جائے۔
النسخ ان تعمل بالآیۃ ثم تنزل آیۃ اخریٰ فتعمل بھا وتترک الاولیٰ [4]	نسخ یہ ہے کہ کسی آیت پر عمل کیا جائے پھر دوسری آیت عمل کے لئے نازل ہو اور پہلی چھوڑ دی جائے
النسخ ابطال شیٔ واقامۃ غیرہ مقامہٗ [5]	نسخ کسی شی کو باطل کرکے اس کی جگہ کسی اور شی کو کرنا۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ نسخ کی حقیقت ردّ و بدل کرنا ہے یعنی ایک حکم کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا حکم رکھنا جس کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کہ خامی دور کرکے بتدریج ترقی دینا مقصود ہو۔ جوہرِ انسانیت کی پختگی و توانائی کے بعد چوں کہ یہ مقصود نہیں باقی رہتا اس بنا پر نسخ کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔ ایسی حالت میں نسخ کا تمام تر تعلق پہلی کتابوں سے قائم ہوتا ہے آخری کتاب (قرآن حکیم) چوں کہ پختگی و توانائی کے بعد نازل ہوئی اس بنا پر "نسخ" سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآنی احکام میں ازالہ نہیں بلکہ "امالہ" کی ضرورت ہے

پختگی و توانائی کے بعد جو چیز مقصود بنتی ہے وہ اعتدال و توازن برقرار رکھنا ہے جن کے لئے حکم کے ازالہ کی نہیں بلکہ "امالہ" کی ضرورت ہے "امالہ" کا تعلق حکم کے ردّ و بدل سے نہیں بلکہ اس کے نفاذ سے ہے یعنی حکم کو برقرار رکھتے ہوئے نفاذ کے وقت اُس کے اوصاف میں تبدیلی کردی جائے مثلاً حالات کے لحاظ سے۔

---

[1] ابن منظور۔ لسان العرب فصل النون حرف الخاء
[2] سید محمد مرتضیٰ زبیدی۔ تاج العروس جز ثانی فصل النون باب الخاء، [3] ایضاً۔
[4] محمد طاہر پٹنی مجمع بحار الانوار ج ۳ نسخ۔ [5]

۱۔ عام کو خاص بنا دیا جائے۔

۲۔ مطلق کو مقید کر دیا جائے۔

۳۔ وسعت کو محدود کر دیا جائے۔

۴۔ کسی شرط یا صفت کا اضافہ کر دیا جائے۔

۵۔ بعض صورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

۶۔ عارضی طور پر نفاذ کو روک دیا جائے وغیرہ۔

ایک مثال سے وضاحت اس کی مثال ماہر طبیب کے اس نسخہ کی ہے جس کو وہ نبض کی حرکت مریض کی حرارت مرض اور مزاج کی کیفیت قویٰ عمر اور موسم کو ملحوظ رکھ کر تجویز کرتا ہے اور پھر مریض، مرض اور موسم کے احوال میں تبدیلی کے ساتھ نسخہ میں معمولی تبدیلی کرتا رہتا ہے اگر سابقہ حالت پھر واپس آجاتی ہے تو سابقہ لکھی ہوئی دوائیں دوبارہ استعمال کرانے لگتا ہے بعینہٖ اس کا یہی طرز عمل تجویز کی ہوئی غذا کے بارے میں ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں نہ نسخہ کی کسی دوا کو نظر انداز کیا جا سکتا اور نہ طبیب کے اختیارِ تمیزی کو سلب کیا جا سکتا ہے۔

یہ "امالہ" گویا طبیب کا اختیارِ تمیزی ہے جس کے لئے ہماری زبان میں موقع و محل کی تعیین کا لفظ زیادہ موزوں ہے اور اس کے لئے احکام منصوصہ و غیر منصوصہ کی تخصیص نہیں ہے۔ امالہ

ثبوت میں ایک آیت یا اوصاف میں تبدیلی کا ثبوت بڑی حد تک قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (النحل ع ۱۴)

جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے گھڑ لیا ہے ایسا نہیں ہے بلکہ ان میں کے اکثر نہیں جانتے ہیں۔

اس آیت میں ابدال کے بجائے "تبدیل" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد کہیں ذات کی تبدیلی اور کہیں صرف اوصاف کی تبدیلی ہوتی ہے ذات اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔

التبدیل التغییر مطلقا اما فی الذات کتبدیل الدراھم بالدنانیر او فی الاوصاف کتبدیل الفضۃ خاتما[1]

"تبدیل" سے مطلقاً بدلنا مراد ہے خواہ ذات میں ہو جیسے درہم کی تبدیلی دینار کے ساتھ یا اوصاف میں ہو جیسے چاندی کی تبدیلی انگوٹھی کی شکل میں۔

ابدال اور تبدیل کا یہ فرق بیان کیا گیا ہے

ان التبدیل تغییر الصورۃ الی صورۃ اخری والجوھرۃ بعینھا والابدال تنحیۃ الجوھرۃ واستئناف جوھرۃ اخری[2]

تبدیل صرف صورۃ کو بدلنا ہے اصل جوہر اپنی جگہ باقی رہے اور "ابدال" جوہر کو بدلنا ہے کہ اس کی جگہ دوسرا جوہر آجائے۔

کلام عرب میں دو محاورہ ہیں۔

ابدلت الخاتم بالحلقۃ

بدّلت الخاتم بالحلقۃ

دونوں کے استعمال میں فرق ہے پہلا اس وقت استعمال ہوتا ہے جب انگوٹھی کو ہٹا کر چھلا اُس کی جگہ رکھ دیا جائے اور دوسرا اُس وقت جب کہ انگوٹھی کو پگھلا کر چھلا بنا لیا جائے، پہلے میں اصل "جوہر" بدل جاتا ہے اور دوسرے میں جوہر باقی رہتا ہے صرف اوصاف میں تبدیلی ہوتی ہے[3]

لفظ تبدیل کا استعمال | قرآنِ حکیم میں لفظ تبدیل کا استعمال دونوں طرح ہے۔

ذات کی تبدیلی مثلاً

فاولٰئك یبدّل اللّٰہ سیاٰتھم حسنٰت

یہی لوگ ہیں کہ اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے

---

[1] شیخ محمد طاہر پٹنی - مجمع بحار الانوار ج ا

[2] محمد مرتضیٰ زبیدی تاج العروس جز سابع فصل الباء من باب اللام۔ [3] ایضاً

(الفرقان ع ۶) بدل دے گا۔

صرف اوصاف کی تبدیلی مثلاً

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا (النساء ع ۸) جب کبھی ان کی کھال جل جائے گی تو ہم اس کی جگہ دوسری کھال بدل دیں گے۔

پہلی کتابوں میں ردّ و بدل کا ذکر لفظ "نسخ" کے ساتھ اور آخری کتاب (قرآنِ حکیم) میں بدلنے کا ذکر لفظ تبدیل کے ساتھ خود اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں "تبدیلی" سے مراد صرف اوصاف کو بدلنا ہے ذات اپنی جگہ برقرار رہتی ہے جیسا کہ اس کی تائید رسول اللہ اور صحابہ کرام کے فیصلوں نیز متقدمین کے طرزِ عمل سے ہوتی ہے مثلاً۔

رسول اللہ کے فیصلوں سے اوصاف کی تبدیلی کی مثالیں	قرآنِ حکیم میں حدود قائم کرنے کا حکم عام ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جنگ اور دشمن کی سرزمین میں حدود قائم کرنے سے منع کیا ہے

لا تقطع الایدی فی الغزو[1] غزوہ میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

لا تقطع الایدی فی السفر[2] سفر میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

(۲) اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ وساوس شیطان و فساد کا ذریعہ ہو اور اللہ کی حرمتیں محفوظ رہیں لیکن جس سے شادی کا ارادہ ہو رسول اللہ نے اس کو دیکھنے کی اجازت دی۔

انظر الیها فانه احری ان یؤدم بینکما[3] اس کو دیکھ لو اس سے آپس میں الفت و محبت کی زیادہ امید ہے۔

(۳) ایک شخص نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس سے میرے اوپر حد لازم آتی ہے آپ حد جاری کر دیجئے اس پر آپ نے فرمایا

لے و کے مشکوۃ باب قطع السرقۃ
سے احمد و ترمذی و مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ

الیس قد صلیت معنا قال نعم	کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی اس نے
قال فان اللہ قد غفر لک ذنبک	عرض کیا ہاں پڑھی ہے آپ نے فرمایا اللہ نے تمہارا
او حدک[1]	گناہ یا تمہاری حد معاف کر دی۔

معافی کا اثر اُس شخص پر یہ ہوا کہ اُس نے شراب نوشی سے توبہ کرلی بعض روایتوں میں ہے کہ اُس نے کہا آپ کے کوڑوں کے خوف سے شراب چھوڑنے میں اپنی توہین سمجھتا تھا لیکن جب آپ نے معاف کر دیا تو واللہ اس ملعون کو کبھی ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

(۴) زنا کے ایک واقعہ میں مجرم کی جگہ غیر مجرم پکڑ لیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سزا کا حکم بھی سنا دیا لیکن بعد میں مجرم نے خود ہی اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور ماخوذ شخص کو اس سے بری قرار دیا۔ یہ صورت دیکھ کر رسول اللہ نے دونوں کی سزا معاف کر دی ماخوذ شخص کی اس بنا پر کہ وہ اصل مجرم نہ تھا اور مجرم کی اس بنا پر کہ محض دوسرے کی جان اور حق کے تحفظ کی خاطر اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔

حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اعتراف جرم کے بعد سزا نہ دینا مجرم کی حوصلہ افزائی ہے رسول اللہ سے سزا دینے کی درخواست کی تو آپ نے انکار فرمایا

فابی رسول اللہ فقال لانہ قد تاب	آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ اللہ کی طرف اس
الی اللہ[2]	نے رجوع کر لیا ہے۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جن کو رسول اللہ کی مخصوصات (جو آپ کے لئے خاص ہیں اور کسی عام قاعدہ و قانون کے تحت نہیں آتے) قرار دے کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے حالاں کہ ان سے اوصاف کی تبدیلی کا بہترین ثبوت ملتا ہے۔

صحابہؓ کے فیصلوں سے اوصاف کی تبدیلی کی مثالیں

صحابۂ کرام کے فیصلوں میں بھی اوصاف کی تبدیلی کی بکثرت مثالیں ہیں یہاں صرف حضرت عمرؓ کے چند فیصلے ذکر کئے جاتے ہیں کہ ان کے سمجھنے میں

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ [2] ابن قیم۔ اعلام الموقعین ج ۳ فصل فی تغیر الفتویٰ

لوگ طرح طرح کی غلط فہمیوں کے شکار ہوتے ہیں

(۱) حضرت عمرؓ نے کتابیہ (اہلِ کتاب) عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت کر دی حالانکہ قرآن حکیم میں اس کی اجازت موجود ہے۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ ع ۱)	اور اہلِ کتاب کی پاکدامنہ عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں

ابو بکر جصاص نے ممانعت کے سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

"حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودیہ عورت سے نکاح کیا جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو ہوئی تو انھوں نے علیحدگی کا حکم دے دیا حذیفہؓ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ حرام ہے؟ اس پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں حرام تو نہیں کہتا ہوں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ بدکار عورتوں کے جال میں پھنس جاؤ گے[۱]"

امام محمد نے مدائن کا مذکورہ واقعہ بیان کر کے حضرت عمرؓ کا یہ جواب ذکر کیا ہے۔

فانی اخاف ان یقتدی بک المسلمون فیختاروا نساء اھل الذمۃ لجمالھن وکفی بذلک فتنۃ لنساء المسلمین[۲]	میں ڈرتا ہوں کہ دوسرے مسلمان تمہاری پیروی کریں گے اور ذمیہ (کتابیہ) عورتوں کی خوبصورتی کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ان کو ترجیح دیں گے یہ بات بڑی آسانی کے ساتھ مسلمان عورتوں کے لئے فتنہ بن سکتی ہے۔

(۲) بیت المال (سرکاری خزانہ) میں چوری سے ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا اور فرمایا کہ بیت المال میں سب کی شرکت ہے۔

لیس علیہ قطع[۳]	ایسے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

---

[۱] ابو بکر جصاص۔ احکام القرآن ج ۲ باب تزوج الکتابیات۔
[۲] محمد۔ کتاب الآثار باب تزوج الیھودیۃ والنصرانیۃ۔
[۳] ابو یوسف۔ الخراج فصل ما یجب فیہ الحدود فی سرقۃ۔

ایک خادم نے مالکہ کے آئینہ (جس کی قیمت ساٹھ درہم تھی) کی چوری کی حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر اس کا ہاتھ کاٹنے سے منع کر دیا۔

خادمکم سرق متاعکم[1] — تمھارے خادم نے تمھارے مال کی چوری کی

اُن غلاموں کو بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جنھوں نے ایک اونٹ چرایا تھا جب انھیں معلوم ہوا کہ غلاموں کا مالک ان کو ننگا بھوکا رکھتا ہے۔ چنانچہ حکم واپس لیتے ہوئے فرمایا

اراك تجیعهم[2] — میں دیکھتا ہوں کہ تم ان کو بھوکا رکھتے ہو

اسی طرح قحط سالی میں چوری سے ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا۔

لا تقطع الید فی عذق وعام سنة[3] — خوشہ کی چوری اور قحط سالی میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

جب کہ قرآنِ حکیم کی آیت عام ہے اس میں نہ کوئی تخصیص ہے اور نہ استثنا ہے

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا (المائدہ ع ۶) — چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کا ہاتھ کاٹ دو

یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کھانے ہٹانے کا حکم دیا حالانکہ قرآنِ حکیم میں ان کا ذبیحہ حلال کیا گیا ہے

وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ (المائدہ ع ۱) — اور اہلِ کتاب کا ذبیحہ تمھارے لئے حلال کیا گیا ہے۔

(۴) اس صورت میں پورا مہر واجب کیا جس میں شوہر اور بیوی کے درمیان خلوت صحیحہ ہو اور پھر طلاق ہو جائے۔

عن عمرؓ فی اغلاق الباب وارخاء الستر انه یوجب المهر[4] — دروازہ بند کر دینے اور پردہ گرا دینے سے وہ مہر واجب کرتے تھے۔

---

[1] مالک۔ مؤطا باب لا قطع فیہ [2] ایضاً [3] ابن قیم۔ اعلام الموقعین ج ۳ المثال الثالث فی سقوط الحد
[4] اسمٰعیل بن یحییٰ المزنی مختصر المزنی باب الحکم فی الدخول واغلاق الباب الخ برحاشیہ کتاب الام للشافعی ج ۲

حالاں کہ قرآنِ حکیم میں ہے کہ نکاح کے بعد اگر کوئی شخص تعلقات کی ادائیگی کے بغیر طلاق دے تو نصف مہر واجب ہوتا ہے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ ع)

اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دو اور ان کا مہر مقرر کیا ہو تو مقررہ مہر کا نصف دینا ہوگا۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جو حالات کے لحاظ سے حکم کے اوصاف میں تبدیلی پر دلالت کرتی ہیں یعنی حکم اپنی جگہ برقرار رہتا ہے اور حالات کے لحاظ سے اس کے اوصاف میں تبدیلی ہوتی ہے جو اُسی وقت تک برقرار رہتی جب تک حالات باقی رہتے ہیں

متقدمین کے نزدیک نسخ کا استعمال

غالباً ان مثالوں ہی کے پیشِ نظر متقدمین نے قرآنِ حکیم میں "نسخ" کا استعمال تبدیلی اوصاف کے مفہوم میں کیا ہے ابن قیم کہتے ہیں

ان النسخ عند المتقدمین رفع دلالۃ العام والمطلق والظاھر وغیرھا تارۃ اما بتخصیص او تقیید او حمل مطلق علی مقید وتفسیرہ وتبیینہ حتی انھم سمون الاستثناء والشرط والصفۃ نسخا لتضمن ذلک رفع دلالۃ الظاھر وبیان المراد فالنسخ عندھم وفی لسانھم ھو بیان المراد بغیر ذلک بل بالخارج عنہ۔[1]

نسخ متقدمین کے نزدیک عام مطلق اور ظاہر وغیرہ کی دلالت اُٹھا دینے کو کہتے ہیں کبھی عام کو خاص یا مطلق کو مقید بنایا جاتا یا مطلق کو مقید پر حمل کر کے اس کی تفسیر و توضیح کی جاتی ہے یہاں تک کہ استثناء۔ شرط اور صفت کو بھی "نسخ" کہا جاتا ہے کیوں کہ ان کے ذریعہ بھی ظاہر کی دلالت اٹھا دی جاتی اور مراد کو بیان کیا جاتا ہے "سلف" کی زبان میں "نسخ" مراد کے بیان کا نام ہے یہ بیان اس لفظ کے غیر بلکہ کسی امر خارج سے بھی ہوتا ہے۔

---

[1] ابن قیم - اعلام الموقعین ج ا فصل المراد بالنسخ عند عامۃ السلف۔

دوسری جگہ ہے۔

ھو رفع الظاهر لتخصيص او تقييد او شرط او مانع فهذا اكثر من السلف يسميه نسخاً[1]

کسی تخصیص۔ تقیید۔ شرط یا مانع کی وجہ سے ظاہری حمل کو نظر انداز کرنا عمومی طور پر سلف اس کا نام "نسخ" رکھتے ہیں۔

حکم کو برقرار رکھتے ہوتے اُس کے اوصاف میں تبدیلی کی بکثرت مثالیں راقم کی کتاب "احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت" میں ملیں گی۔ حالات کے لحاظ سے احکام کے نفاذ میں اگر اوصاف کی تبدیلی نہ تسلیم کی جاتے تو قرآن حکیم کے آخری و دوامی شکل مجروح ہوتی اور صلاحیتوں کی ضابطہ بندی میں اعتدال و توازن برقرار رکھنا دشوار ہوتا ہے۔ اوصاف میں تبدیلی کے بعد پھر رہتی دنیا تک کسی نئی کتاب (کلام الٰہی) کی ضرورت نہیں رہ جاتی یہی آخری کتاب ہر دور و زمانہ کے لئے کافی ہوتی ہے۔

اوصاف میں تبدیلی ہی سے قرآن کی آخری و دوامی شکل برقرار رہتی ہے

صرف اس کی حفاظت کا سوال رہتا ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ (حجر ع ۱)

ہم نے ہی قرآن اُتارا اور ہم ہی اُس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن کی حفاظت کا جو انتظام ہے اور جس طرح وہ محفوظ ہے تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ قدرتی انتظام و حفاظت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ (باقی)

---

[1] ابن قیم۔ اعلام الموقعین ج ا فصل المراد بالنسخ عند عامة السلف۔

"قرآن اور تصوف" مؤلفہ جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب مرحوم

تصوف اور اُس کی تعلیم کا اصل مقصد عبدیت اور الوہیت کے مقامات کا تعلق اور اُن کے ربط و تعلق کا حصول ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ مختلف قسم کی ذلتوں کا سرچشمہ بن کر رہ گیا ہے مؤلف نے کتاب و سنت کی روشنی میں تمام الجھنوں اور نزاکتوں کو نہایت دلنشین اور عالمانہ پیرایہ میں واضح کیا ہے صفحات ۲۰۰، تقطیع متوسط، طبع آفسٹ، قیمت -/5 مجلد 8 پتہ ندوۃ المصنفین اُردو بازار دہلی۔